Sherosokhan شعر و سخن
Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

خوشبو کی سواری

مجموعۂ غزلیات

کلیم حاذق

زیر اہتمام

فرحان عدنان پبلیکیشنز

۸۷ پیلخانہ سکنڈ لین ہوڑہ۔۷۱۱۱۰۱

مغربی بنگال

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

انتساب

ان تمام معصوم دلوں کے نام

جو شاعری کے آئینہ خانے میں

تہذیب کی جھلکیاں دیکھنا پسند کرتے ہیں

جو اُردو کے اشعار گنگناتے ہیں

جو اپنی مادری زبان میں گفتگو کسرِ شان نہیں سمجھتے

جو اُردو زبان کو صرف روٹی روزی کا وسیلہ نہیں سمجھتے

ہے باد صبا خاک نشیں رستے میں
کچھ ٹیکتے چلتی ہے جبیں رستے میں
بیمار چمن گل کے لئے روتا ہے
خوشبو کی سواری ہے کہیں رستے میں

کہاں ہے مری دنیا والے
درد بے پردہ ہے پردہ والے

دھوپ سے آنکھ لڑاؤں ہر دم
مجھ میں سورج ڈھلیں سایہ والے

میری راہوں کو دکھا دے منزل
گمرہی کو بنا کاسہ والے

خاک سے نور کی صورت اُٹھوں
نور ہی نور ہو سجدہ والے

میرے صحرا کو سمندر کردے
پر تلاطم نہ دے دریا والے

غیر کے آگے نہ ہوویں رسوا
خیر سے رہنے دے خرقہ والے

شبانِ ہجر تری زلف جو سنوارتا ہے
ان انگلیوں میں وہی لمس اب پکارتا ہے

کھروچتا ہے وہ تمثال تیری یادوں کا
تمام شب مرے اندر کوئی گذارتا ہے

میں دیکھنا بھی جو چاہوں تو مجھ میں ہی چھپ جائے
یہ کون مجھ میں مرا آئینہ نکھارتا ہے

وہ جاتے جاتے بھی مڑ کر نہیں مڑا لیکن
گماں یہ ہوتا ہے اب بھی مجھے پکارتا ہے

نہ جانے کیسے پرکھتا ہے وہ کسوٹی پر
وہ بار بار مجھے آگ سے گذارتا ہے

تمہیں جو رکھتا ہے اب بے قرار راتوں میں
ہمارے سامنے دامن وہی پسارتا ہے

کلیم وہ مجھے حیرت سے دیکھتا ہے مگر
جو میں بھی دیکھوں تو پھر آسماں نہارتا ہے

حکایت وصل کی سب کو سنانا بند کردیں
تو پھر یادیں بھی یوں پنکھا ہلانا بند کردیں

ذرا چھٹ جائے اس کے خواب گہہ کی یہ اُداسی
مری آنکھیں بھی پھر پلکیں سجانا بند کردیں

انا کا بوجھ اُٹھا کر جھک پڑے تہذیب کا سر
تو پھر مقتل میں اپنا سر کٹانا بند کردیں

نہیں چلتا ہے زور اس کا کسی سرکش ہوا پر
تو کیا ہم بھی چراغوں کو جلانا بند کردیں

مصیبت میں یہی آنسو غنیمت ہیں ہمارے
بلا سے وہ زمانے کو رلانا بند کردیں

عدو کی صف میں رکھتا ہے ہمیں وہ اس لئے بھی
عدو اس کے نہ اپنا آب و دانہ بند کردیں

کلیم ہم نے بہت مشکل سے آدھی رات کاٹی
بلائیں نیند میں اب تو ڈرانا بند کردیں

نشاطِ حسرت بے مول کیوں اُٹھائے پھروں
کسی کے بولے ہوئے بول کیوں اُٹھائے پھروں

بلا سے چشم تہی خواب کہہ دے یہ دنیا
میں اپنی آنکھوں میں کشکول کیوں اُٹھائے پھروں

مکانِ دل پہ سنوں دستکیں نئے دن کی
بجھے ستاروں کے یہ جھول کیوں اُٹھائے پھروں

کہاں میں اور کہاں آزمائشِ سروقد
کشادگی سے چلوں سول کیوں اُٹھائے پھروں

گریز میرے تکلم سے گر اسے ہے کلیم
تو اس کے کلمۂ انمول کیوں اُٹھائے پھروں

ایک اک ذرے کو موتی سا پرویا کیجئے
کھیتیاں پھر کھل اٹھیں گی خواب بویا کیجئے

جبہ و دستار کی شوکت سے کب چلتا ہے کام
پارسائی کے لئے دامن بھگویا کیجئے

کھل اٹھے ہیں پھر سے شاخِ دل پہ زخموں کے گلاب
فصل گل کیسے نہ آئی، آنکھ دھویا کیجئے

ساتھ دیں گے کب تلک گردش کناں ماہ و نجوم
چھوڑ کر سیر فلک کچھ دیر سویا کیجئے

خود ہی دھل جائیں گے سارے داغ جو دل نے دیئے
بیٹھ کر تنہائی میں کچھ دیر رویا کیجئے

دوسروں کے آسرے پر خدمت اردو زباں؟
قبر کی مٹی سے اپنی خاک دھویا کیجئے

زندگی سے پیار ہے جن کو وہی ہیں سر بلند
ایسے ہی دیوانوں کے اب پاؤں دھویا کیجئے

افق کا شامیانہ دور تک پھیلا ہوا ہے
سرِ شاخِ بہاراں پھول کیوں روتا ہوا ہے

یہ دنیا کا سبق ہی ایسا جس کو جتنا پڑھئے
ہمیشہ یہ گماں ہوتا ہے کچھ بھولا ہوا ہے

زمیں پر ہی نہیں ہم جیسے نافرمان بچے
کھلونا آسمانوں پر بھی اک ٹوٹا ہوا ہے

سبھی چپ چاپ گزرے جا رہے ہیں اس سے کٹ کر
خزانہ کس کا یوں کس کے سبب بکھرا ہوا ہے

نئے موسم کی جو کچھ خوش لباسی ہے وہ ظاہر
یہ رنگ و نوراک بارش میں ہی پھیکا ہوا ہے

اگر تم بھولنا چاہو تو پھر مت یاد رکھو
کہ جو ہے بھولنے والا وہی بھولا ہوا ہے

مرے دل کی خبر سن لیتا ہے اوروں سے لیکن
وہ مجھ سے پوچھتا ہے چاند کیوں اترا ہوا ہے

عیادت کے لئے آئے تو سوچا دشمنوں نے
چلو دیکھیں کہ کس کس اور سے ٹوٹا ہوا ہے

کلیم حاذق نہ اس سے کھیتیاں سیراب ہوں گی
یہ بادل تو زمینوں پر بہت برسا ہوا ہے

اس سے دنیا داری کرلی
دل نے پھر نا سمجھی کرلی

اس کی باتیں سب کے لب پر
آنکھوں نے جاسوسی کرلی

غربت کا بھی حال عجب ہے
جیسی مرضی ویسی کرلی

بابا کی اُجرت جو کم ہے
بچپن نے مزدوری کرلی

لڑکا چپل ٹھونک رہا ہے
لڑکی نے پی ایچ ڈی کرلی

دریا میں رہنے کی خاطر
لہروں کی شاگردی کرلی

شیریں پتھر توڑ رہی ہے
لو مجنوں نے شادی کرلی

اکا دکا شعر نکالے
تھوڑی سی تک بندی کرلی

سینے میں طوفان چھپا یا
لفظوں نے خود سوزی کرلی

اک تنہا اور اتنے تیر ، کہاں تک بھائی
سیدھی ہوگئی نرمی دیکھ، کماں تک بھائی

اندر ہی اندر اپنی خاشاک اُڑاؤں
کیسی آگ نہ دیکھے غیر دھواں تک بھائی

جاڑے کی سمٹی سمٹائی راتوں میں وہ
پہنچا چھت پر چاند ، چکور گماں تک بھائی

دروازے ہی سے مڑجانے کی جلدی کیا
دیکھا کس نے آتے ساتھ، مکاں تک بھائی

سنی سنائی باتوں پر ہم کب تک بھاگیں
کانوں کان سفر آسیب کہاں تک بھائی

دکھیارے کی ہانڈی سی کھن کھن بجتی ہے
غربت میں پازیب حیا کی ماں تک بھائی

شہرت کی بے خواب حویلی تک ہی پہنچا
دیکھے جس نے اُلٹے خواب جہاں تک بھائی

دشت پاگل ہوا نافے سے نکلتا کیا تھا
اک شرارے کی طرح مجھ میں تڑپتا کیا تھا

ایک سر نیزے پہ پھر بھی تھا بصد شوق بلند
دستِ قاتل میں ستارہ سا لرزتا کیا تھا

مجھ سے ہی گذرا تو پھر اس کے کھلے ساتوں رنگ
ورنہ سورج تھا شعاعوں سے نکلتا کیا تھا

کچھ رواں تھا تو روانی میں عجب شئے کیا تھی
چشمۂ فیض کے پہلو میں اچھلتا کیا تھا

کیوں پہاڑوں پہ نظر آتے تھے رنگیں بادل
وہ نہیں تو مرے سینے میں دھڑکتا کیا تھا

گوش و دہن اب کام بھی آئے کچھ تو ہو
مٹی سے رشتہ رہ جائے کچھ تو ہو

دریا کے دو پاٹ کہاں تک ساتھ چلیں
موج ہی اب زلفیں بکھرائے کچھ تو ہو

رستہ اپنا کیوں پابند ہو قاصد کا
میں بھی جاؤں وہ بھی آئے کچھ تو ہو

تنہائی کی جھیل پہ دونوں ہی خاموش
کنکر پھینکے ، بات بڑھائے کچھ تو ہو

شاخ بدن کی ڈھک تو جائے پھولوں سے
خواہ طبیعت ہی للچائے کچھ تو ہو

ہونٹوں کا برفیلا موسم آگ صفت
یا جل جائے یا بجھ جائے کچھ تو ہو

عرصے بعد غزل کی بانہوں سے لپٹے
تو چپکے سے بولی ہائے کچھ تو ہو

ایک اک آنکھ پیش وپس میں ہے
شہر کا شہر کس ہوس میں ہے

ڈوبتا دن اُداس ہر چہرہ
شام جیسے کسی قفس میں ہے

شہر جنگل بنا ہے خوابوں کا
دل کہاں کس کی دسترس میں ہے

جل رہے ہیں الاؤ سڑکوں پر
کیسی تحریک خار وخس میں ہے

سب سمجھ کر بھی کچھ نہیں سمجھا
ناسمجھ ہونا اپنے بس میں ہے

بس گماں جستجوئے جائے اماں
خواہشوں کی طلب ہی بس میں ہے

شعلہ آواز بن گیا ہے کلیم
تیلیوں کی زباں جرس میں ہے

دیکھتے ہیں کبھی دنیا کے خد و خال کو ہم
اور حسرت سے کبھی جاتے مہ و سال کو ہم

کیا کریں ایک ہی تصویر نظر آتی ہے
روز ہی پونچھتے ہیں آئینہ حال کو ہم

گریۂ ہجر سے ملتی جو کسی طرح نجات
پھر زمانے سے ہی دکھلاتے تری چال کو ہم

سانحہ روز ہی زخموں کو ہرا کرتا رہا
دربدر بھٹکا کئے ویسے اندمال کو ہم

اب بھی خوشبو سی رگِ جاں میں اتر آتی ہے
چوم لیتے ہیں ترے ساغرِ اسفال کو ہم

قدر و قیمت تری دنیا کو پتہ ہو کہ نہ ہو
شاہ کر لیتے ہیں تجھ شیوۂ ارزال کو ہم

اب جو سینے میں ہے وہ اس کی ہی بانی ہے کلیم
سونپ آئے ہیں سبھی کچھ دلِ صد حال کو ہم

Sherosokhan شعر و سخن
Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

صبح نئی آتی ہے راتیں ڈھلتی ہیں
آنکھیں لیکن اب بھی رستہ تکتی ہیں

پھر بھی چاند نہیں آتا ہے قابو میں
لہریں تو ویسے بانہوں میں بھرتی ہیں

سانس جلن کے مارے ملتی ہے سینہ
اندھیاری راتوں کی شمعیں جلتی ہیں

پلکیوں پر مہمان چمکتے ہیں جھلمل
یادیں دستر خوان بچھائے بیٹھی ہیں

سارا وہم حقیقت اس کی چٹکی بھر
ساری باتیں جھوٹی ساری سچی ہیں

خواب سویرا ڈوب رہاہے طوفاں میں
آنکھیں کشتی ان میں ڈولتی رہتی ہیں

تم سے ہے صدیوں کی یاری کیا پردہ
تم سے ہی سب یادیں کھٹی میٹھی ہیں

ہم ترے وصل کی ہر بات بتانے سے رہے
پر رقیبوں سے ترا بھید چھپانے سے رہے

کیسا قصہ تھا کہ سنتے ہی اسے نیند آئی
وہ جو سویا تو پھر ہم اس کو جگانے سے رہے

ہم نبھائیں تو بھلا کس طرح دنیا داری
د ل کسی سے تو کہیں ہاتھ ملانے سے رہے

اس خرابے میں جنوں پیشہ جو ٹھہرے وہ بسے
مفت کی جان خرد مند گنوانے سے رہے

رات کٹتی نہیں اور قصۂ شب ختم ہوا
چلئے کچھ روز یہ سورج بھی ٹھکانے سے رہے

اس کا غصہ کسی صورت نہیں ہوتا کافور
اور ہم بھی اسے ہر بار منانے سے رہے

مشکلوں میں اسے دیتے جو صدائیں دل سے
غیر ممکن ہے وہ بندوں کو بچانے سے رہے

Sherosokhan شعر و سخن
Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

بخش دوں جو زبان سے نکلے
اب تو شمشیر میان سے نکلے

کوئی پہرے پہ ہے سرِ مژگاں
وہ بھی کیسے مکان سے نکلے

ہو گا ورنہ شمار گونگوں میں
کچھ تو آخر زبان سے نکلے

اس نے بھی ترکِ رسم و راہ جو کی
وہ بھی کچھ اپنی دھیان سے نکلے

ساری دنیا بھی سر جھکا نہ سکی
جب بھی نکلے تو آن سے نکلے

کم تھی طوفان کی بلاخیزی
ہم ہی کچھ دھان پان سے نکلے

پلکوں پر ساون لہرایا کیوں موسم تو بول
یادوں کا آیا اک جھونکا کیوں موسم تو بول

تم سے آنکھوں آنکھوں میں جو راتیں کٹتی ہیں
ان راتوں میں سورج نکلا کیوں موسم تو بول

آج کدھر سے بھولے بھٹکے وہ بھی آ پہنچا
آنکھ مسافر رستہ بھولا کیوں موسم تو بول

دھوپ اترتی ہے تو سایہ ہوتا ہے لمبا
اترا ان پلکوں پر سایہ کیوں موسم تو بول

میں نے تو اک پاگل پن میں چھوڑی ہے دنیا
وہ جو میرے پیچھے آیا کیوں موسم تو بول

چاندنی راتوں میں تنہا کیوں آیا ہے چھت پر
چاند سے آخر اس کا جھگڑا کیوں موسم تو بول

اس کے ہجر میں سارے لمحے لگتے ہیں یکساں
ہے اس سے اب لینا دینا کیوں موسم تو بول

میں بولوں تو باتیں میری کب وہ مانے گا
وہ لگتا ہے کچھ کچھ تجھ سا کیوں موسم تو بول

رُت پہلی ترے ہجر کی کٹے نہ کاٹی جائے
بادل چھائے یاد کے ، آنکھ برستی جائے

فصل کٹی تو لے گئے سارے ساہوکار
مفلس کے کھلیان سے خالی کشتی جائے

دریا تو کتنا چڑھا اٹھی نہ تہہ کی خاک
چھل چھل آنکھیں آرزو، تٹ ہے بھیگی جائے

مکہ کاشی یروشلم بانی سب کی ایک
ہے تو سب موجود ہے نہ ہو تو ہستی جائے

بستی میں ہے کیا دھرا اجڑا ہر چوپال
من کی چڑیا باوری وہیں پہ دُہری جائے

چلو مانا کہ سلطانی بھی دیکھے
پریشاں کی پریشانی بھی دیکھے

ہیں اک ہی شاخ پر کانٹے بھی گل بھی
مشیت کی جہاں بانی بھی دیکھے

لکھا ہے فیصلہ سب اس کے حق میں
ہمارے دل کی دیوانی بھی دیکھے

صبا چلتی ہے شانوں پر اُٹھائے
کوئی خوشبو کی سلطانی بھی دیکھے

تراشے ہیں بہت اصنام دل نے
مرے سجدوں کی حیرانی بھی دیکھے

کبھی خوشبو کبھی شعلہ نفس وہ
ہواؤں کی پریشانی بھی دیکھے

نہ اوجھل ہو نظر سے ایسا منظر
نگہہ کی تشنگی پانی بھی دیکھے

گذرنا لا تعلق گر وہ چاہے
تو پھر میری نگہبانی بھی دیکھے

نغمہ حدِ رُباب سے آگے نکل گیا
تشنہ دہن سراب سے آگے نکل گیا

اہلِ ہنر تو الجھے رہے توڑ جوڑ میں
نا خواندہ کتاب سے آگے نکل گیا

کھیتی کی موتیوں میں ، ہوا اور آبدار
قطرہ دمِ سحاب سے آگے نکل گیا

رکتا تو تھوڑی دھول چٹاتا جہان کو
وہ گردِ چشم تاب سے آگے نکل گیا

زخموں کا کچھ شمار نہیں ، کس کا نام لے
دلِ حرفِ انتساب سے آگے نکل گیا

دل کی سناؤں کیا ، ہوا ایسا جنوں طلب
ہر ایک احتساب سے آگے نکل گیا

ٹھہرا خمار شب ، کہا کتنی ہے رات اور
تاہم مرے جواب سے آگے نکل گیا

ڈھل چکی شامِ الم ، رات مگر باقی ہے
لوگ کہتے ہیں کہ بس پچھلا پہر باقی ہے

آگ جنگل میں لگی شہر میں کیوں ہے دہشت
اس خرابے میں کہاں کوئی شجر باقی ہے

آجنوں آ ، میں تری جائے اماں ہوں کہ نہیں
سرکشی تیری سلامت، مرا سر باقی ہے

اشک کو چاہئے مہلت سرِ مژگاں کچھ اور
خونِ دل باقی ہے ، ہونا جو گہر باقی ہے

طفل نادانی میں اک سنگ ادھر بھی مارے
شاخِ نازک پہ اداسی کا ثمر باقی ہے

صرف ویرانے سے ہی سلسلہ رکھئے نہ کلیم
زندگی باقی ہے جو ایک بھی گھر باقی ہے

سب حرص وہوس ڈھل جاتی ہیں اور آنکھیں برسا کرتی ہیں
جب راتیں بھیگنے لگتی ہیں ، جب پلکیں سجدہ کرتی ہیں

کب ختم ہوئے ہیں کھیل سبھی دنیا کے عجائب خانوں میں
کچھ گھڑیاں پیدا ہوتی ہیں ، کچھ صدیاں پیدا کرتی ہیں

تم موسم کے سب پھل لے لو لیکن اس پیڑ کو مت کاٹو
کچھ شاخ پہ رہتے ہیں پنچھی، کچھ شاخیں سایہ کرتی ہیں

ہے آنکھوں میں وحشت طاری، اک رات ہزاروں پر بھاری
وہ ہم تو نہیں ہیں پریاں جن کے پاؤں دبایا کرتی ہیں

شعلہ ہے بہت سینے میں مگر، ہے گانٹھ سی کچھ دل کے اندر
جذبوں کے الاؤ میں رہ رہ کر تیلیاں چٹخا کرتی ہیں

دنیا کو ہم نے دیکھ لیا ، اک بوڑھی ملکہ تھکی تھکی
یاں تاج نہیں ، یاں تخت نہیں بس آنکھیں نشّہ کرتی ہیں

اک بات کلیم حاذق ہم نے دنیا کے تعاقب میں سیکھی
جو آنکھیں جھکنا جانتی ہیں ، وہی آنکھیں اُٹھا کرتی ہیں

یہ رنگِ شفق ، رنگِ حنا کچھ بھی نہیں ہے
جب جسم ہی خالی ہو ، قبا کچھ بھی نہیں ہے

حاصل کی سہولت پہ ہی اتراتی ہے دنیا
کھونے کا اسے اپنا پتہ کچھ بھی نہیں ہے

اک گھر ، نہ کوئی چھت نہ کوئی پیڑ، نہ سایہ
وہ آگ ہے جنگل کی ، بچا کچھ بھی نہیں ہے

دریا کے طرفدار وہ تشنہ لبِ ساحل!
ہونٹوں پہ شکایت نہ دعا کچھ بھی نہیں ہے

مانو تو تڑپ اٹھتے ہیں پیشانی پہ سجدے
نا مانو تو یہ بندہ خدا کچھ بھی نہیں ہے

سچائی کیا کرتی ہے ہر روز چراغاں
مندر ہو کہ مسجد ہو جدا کچھ بھی نہیں ہے

کیا وقت پڑا ہے ترے بیمار ہیں سب ہی
لیکن یہ حقیقت ہے ہُوا کچھ بھی نہیں ہے

Sherosokhan شعر و سخن
Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

ہوا خوشبو لبادہ اوڑھ کر کیا بولنا چاہے
سرِ شاخِ بہاراں کاہے غنچہ ڈولنا چاہے

وہ چاہے ٹالنا بس چند دھڑکن کے عوض دل کو
مگر دل کی یہ مجبوری مصیبت مولنا چاہے

اسی مٹی میں سارے برگ وباراں دفن ہوتے ہیں
اسی مٹی سے ہی غنچہ دہن لب کھولنا چاہے

رہے شوکیس میں تو پھول قدموں پر نچھاور ہوں
زبانیں کھینچ لی جائیں اگر کچھ بولنا چاہے

بنا مانگے اگر مل جائے یوں کونین کی دولت
صدف میں پھر کوئی موتی کہیں کیوں رولنا چاہے

ہوا جو راستہ آشفتہ سر چلتا نہیں چاہے
تو برگ سبز پہ روئے شفق ملتا نہیں چاہے

اگر چاہوں کہ رستہ سانپ کا میں خود نہیں کاٹوں
تو یہ خطرہ بھی اپنے آپ ہی ٹلتا نہیں چاہے

بھلا کوئی خود اپنے آشیاں کو خاک کرتا ہے
جہاں میں کون ہے ؟ گھر پھولتا پھلتا نہیں چاہے

ستارے منہ اندھیرے جادۂ شب سے نکل آئے
مگر افلاس کا سورج کہیں ڈھلتا نہیں چاہے

انی نیزے کی سینے تک اتر آئی تو یہ جا نا
یہ دل ہی سرد اتنا ہے کہ اب جلتا نہیں چا ہے

وہی دنیا ہے اداسی ہے مگر کچھ کم ہے
دل کے ویرانے میں تنہائی کا ڈر کچھ کم ہے

سایہ سایہ جو وہ چیخے تو بھلا کیا سمجھوں
تیز سورج ہے ، امیدوں کا شجر کچھ کم ہے

اسکے ہونٹوں پہ دہکتے ہیں جو صد رنگ گلاب
وہ سمجھتا ہے مجھے اس کی خبر کچھ کم ہے

میں نے مانا کہ ہے وہ پائے ہنر آبلہ پا
ہے مگر گرمِ سفر ، زخمِ سفر کچھ کم ہے

خواب گاہوں میں اترتا ہوا بے رنگ سا نور
لوگ کہتے ہیں مجھے تابِ نظر کچھ کم ہے

ایک ہی شکل کے انسان کہاں ہوتے ہیں
کہیں مٹی ہے زیادہ تو شرر کچھ کم ہے

چاہنے والے ترے کم تو نہیں ہیں پھر بھی
بے جگر اور کوئی مجھ سا مگر کچھ کم ہے

یہ مرا شہر مجھے رولتا رہتا ہے کلیم
دھول بھی اسکی مری زینتِ سر کچھ کم ہے

سازشوں میں اک کھلا تیور نظر آنے لگا
گنبدِ بے در میں آخر در نظر آنے لگا

مختصر دنیا ہوئی یا تھک گئے ہیں میرے پاؤں
دو قدم رستہ چلے اور گھر نظر آنے لگا

اک معرکہ رو بہ رو تا حدّ ِامکانِ لہو
بات تو کچھ بھی نہیں خنجر نظر آنے لگا

شاہراہوں پر پھرا کرنے لگیں سرگوشیاں
نیند آنکھیں کھول تیرا گھر نظر آنے لگا

آسماں پرواز سے خالی ہوا تا حدِ شب
نیند آنکھیں کھول تیرا گھر نظر آنے لگا

گرم پنکھے کی ہوا بے خواب تھیں آنکھیں مری
نیم شب وہ بھی کھلی چھت پر نظر آنے لگا

بند آنکھوں کا تماشہ، کھوکھلے پاؤں کلیم
شہرِ نا پرساں میں بازی گر نظر آنے لگا

سب بے کار کی باتیں ہیں ، آئینے لگتے ہیں
سکّوں میں جب ڈھلے ہیں چہرے ، کھوٹے لگتے ہیں

دھوپ سوا نیزے جیسی ، بے شجر ہماری راہ
شان مگر ہے چھتوں کے اوپر پودے لگتے ہیں

سوکھے ہونٹ ، مسافت لمبی ، صحراؤں کی رات
آتش دانوں میں اب کوئلے بجھتے لگتے ہیں

منظر منظر ایک ہی جیسی آویزاں تصویر
شہر ترے موسم کے کمرے سونے لگتے ہیں

وہی سسکتی دیواروں پر مرجھائی سی شام
وہی کہ میرے ساتھ ہی سب کچھ رونے لگتے ہیں

پہلے زینے پر ہم ہوں وہ چھت پر ہوں موجود
پھر لکڑی کے پاؤں والے کیسے لگتے ہیں

جنکا عکس اٹھائے کشتی جاں کی رواں کلیم
ان آنکھوں کے بھی بے خواب جزیرے لگتے ہیں

کوئی خوشبو سی لہرائے تو کیسے
ہوا چپ ہے صدا آئے تو کیسے

ہر اک رستہ کھلے بس تیری جانب
کوئی تجھ سے نکل جائے تو کیسے

خلافِ مصلحت جو بات نکلی
اب اس کا تذکرہ آئے تو کیسے

ہر اک کمرے میں اک ہی آئینہ ہے
کوئی اب خود سے شرمائے تو کیسے

اُداسی جم گئی چوکھٹ سے لگ کر
تمہاری سر خوشی آئے تو کیسے

جو چپ ہوں تو ہوائیں بولتی ہیں
ہواؤں کی صدا آئے تو کیسے

ارے پگلے تو اپنے آپ میں رہ
بدن سایہ نگل جائے تو کیسے

کلیم حاذق کی اپنی راگنی ہے
کوئی شعلہ لپک جائے تو کیسے

Sherosokhan شعر و سخن
Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

طبیعت جو ہر دم بدلتی رہے گی
تو دنیا بھی چال اپنی چلتی رہے گی

خرابی ہماری کہاں تک ہے ممکن
یہ گرتی رہے گی سنبھلتی رہے گی

کہو آندھیوں سے رہے اپنی حد میں
وگر نہ وہ خود ہاتھ ملتی رہے گی

تری یاد آکر جو جھولا جھلائے
تو پنکھا شبِ ہجر جھلتی رہے گی

رمق کچھ تو چہرے پہ عمرِ گذشتہ !
ترا کام ڈھلنا ہے ڈھلتی رہے گی

بہت ہوگا ہم جیسے اٹھ جائیں یاں سے
یہ دنیا اسی طرح چلتی رہے گی

کلیم اپنے شعروں سے یوں گل کھلائے
تو جاں خوشبوؤں کی نکلتی رہے گی

جنوں پیشہ تقدیر سے کھیلتا ہے
دوانہ ہے ، تصویر سے کھیلتا ہے

مرے خواب ہیں اسکی آنکھوں کی زینت
زمانہ ہی تعبیر سے کھیلتا ہے

مصیبت میں ہے نغمۂ گل فشانی
گلو میرا شمشیر سے کھیلتا ہے

جھکا ہے نشاں کس کا سالار کہتا
یہ کس سر کی تحقیر سے کھیلتا ہے

لٹاتا ہے دل بے طرح غم کے آنسو
ولی عہد جاگیر سے کھیلتا ہے

بصد تشنہ کامی ملا ہے جو دریا
وہ ہونٹوں کی توقیر سے کھیلتا ہے

کلیم اس نے کی ہے ریا ضت سخن کی
جو لفظوں کی تعمیر سے کھیلتا ہے

Sherosokhan شعر و سخن Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

پرکھوں کے راجا ہونے پر ہم اتراتے ہیں
رسی تو جل جاتی ہے کس بل رہ جاتے ہیں

ہر لمحہ دھوکہ دیتے ہیں اپنے آپ کو ہم
آئینوں سے آئینے کی بات چھپاتے ہیں

بارش ہونیوالی ہے پھر ہم پہ رحمت کی
تخت تمہارا کاندھے پر رکھ کر لیجاتے ہیں

بھیڑ میں کھو جانے والا بچہ گم ہی رہتا ہے
خواب مرے پلکوں تک آنے میں گھبراتے ہیں

آنکھوں میں یادوں کے ڈورے ، خون شفق، ہجراں
استقبال کو تیرے ہم آکاش سجاتے ہیں

رختِ سفر کیا ہے؟ مت کھول کے میری پوٹلی دیکھ
اسے فرشتے ہاتھ لگانے سے شرماتے ہیں

پیارے ، اسکا ہوکر کہہ دیں ہم نے شعروں میں
باتیں وہ سب جو کہنے سے وہ کتراتے ہیں

بربادی کیا کم ہے دل کی اب تو کچھ بھی یاد نہیں
کب آباد ہوئی یہ بستی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

برگشتہ موجوں سے کشتی لے تو آئے ، پوچھو مت
کتنا ہے دریا میں پانی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

ہونی تو ہو جاتی ہے اب دیواروں پر کیا دیکھیں
کیا تھی مولیٰ تیری مرضی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

تنگ گھروں میں رہتے رہتے کیا کیا دکھ ہم نے کاٹے ہیں
کیسے کیسے حالت بگڑی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

متوالے ہم ہیں یہ سچ ہے لیکن کس کے کیا جانیں
ہونٹوں پر ہے کس کی بانی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

تھوڑی سی مئے تھی پیالے میں باقی سب کچھ آنکھوں میں
کس پیالے سے ہم نے کیا پی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

تیرے شہر میں ہم آئے تو تجھ سے ہی مشہور ہوئے
اپنا گھر اپنی انگنائی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

Sherosokhan شعر و سخن Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

گیت

من میں کب سنکی پروائی اب تو کچھ بھی یاد نہیں
گاؤں میں کب برکھا آئی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

ساون کے جھولوں میں جھولے کیا جانے کتنے یگ بیتے
سکھیوں نے کب لٹ سلجھا ئی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

پیپل ، مہوا، برگد، پنچھی، بیلیں کھٹے انگوروں کی
کس سے لگ کر میں شرمائی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

کب انکے پاؤں کی آہٹ سے دل پائل کھنکا تھا
کب دھڑکی میری انگنائی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

رشتوں کی صبحیں کالی راتوں میں ڈھلتی جاتی ہیں
یہ ایندھن کس نے سلگائی اب تو کچھ بھی یاد نہیں

گیت

تری صبح کی جو ہوا چلی مری جاں میں خوشبو اتر گئی
جو بکھر گئی ترے ہجر میں تری یاد بن کے سنور گئی

بڑا ناز تھا مجھے حسن پر ترا عشق اور بڑھا گیا
پڑی بوند شبنمی وصل کی تو کلی کلی ہی نکھر گئی

جو کشش ہے رنگِ بہار میں وہی عکس ہے گلِ یار میں
جو ہے روپ روپ ترا آئینہ وہ نگاہ دھول سے بھر گئی

وہ محبتیں ، وہ رفاقتیں ، اسی زندگی کی صداقتیں
وہی زندگی جو بسر ہوئی وہی زندگی جو گذر گئی

خود اپنے خوابوں کو بے گھر چھوڑ آئے
ترے حوالے سارا منظر چھوڑ آئے

خوشبو کا شعلہ بس وہیں لپکتا ہے
اپنا موسم جس ڈالی پر چھوڑ آئے

قدم ہمارے ناپ رہی ہے سبز ہوا
ریت پر ایسا نقش بنا کر چھوڑ آئے

اب بے خواب ہوئے تو کیا رونا ہے، جب
نیند بھری آنکھوں میں بستر چھوڑ آئے

ننگے شانوں پر سورج کا بار کلیم
سایہ اپنے جسم برابر چھوڑ آئے

خود سے ناراضگی سانسوں کا زیاں ہوتی ہے
متحد ریت کی دیوار کہاں ہوتی ہے

روشنی اپنی چھپا لیتا ہے خود اپنا غبار
یوں شب و روز مری خاک دھواں ہوتی ہے

سر بکف ہوتے ہیں تو کاندھے پر آ جاتے ہیں ہاتھ
ہاتھ کٹتے ہیں تو پابند زباں ہوتی ہے

سب کے سب جانبِ صحرا ہوئے جاتے ہیں کہ اب
شہر میں خود سے ملاقات کہاں ہوتی ہے

عمر کے ڈھلتے ہی کچھ اور نکھر آتے ہیں غم
سایہ جیسا مری خواہش بھی جواں ہوتی ہے

اب کسی بات پہ حیرت نہیں ہوتی ہے کلیم
کیا تعجب ہے جو تائیدِ گماں ہوتی ہے

ایسی نظریں جو تیر ہوجائیں
ساری مجھ میں اسیر ہو جائیں

ہم کہاں تک اُٹھائیں بارِ سزا
اب بھی روشن ضمیر ہوجائیں

کتنے سنجیدہ ہوگئے ہم لوگ
کاش پھر سے شریر ہوجائیں

شہر میں چل رہی ہے ایسی ہوا
شاہ زادے فقیر ہوجائیں

شعر میں زندگی کا ضروری ہے
خواہ غالب یا میر ہوجائیں

نام آجائے گا حوالے میں
سارے شاعر وزیر ہوجائیں

آنسوؤں سے نہیں کوئی بہتر
ملکِ غم کا سفیر ہوجائیں

ہر عقل و خرد حیراں یہ کون سی بستی ہے
مفلس کے گھروندوں میں کیا عالمِ مستی ہے

دنیا کی محبت بھی بازار کی اک صورت
دل چاہے تو مہنگی ہے ٹھکرائے تو سستی ہے

پانی پر چلوں جب میں مشتاق رہا وہ بھی
جب پاؤں ہیں دھرتی پر تو چاندنی ہنستی ہے

رک سانس تو لینے دے، چل سانس کے رہنے تک
پاداشِ سفر منزل ، چلنے ہی میں مستی ہے

خاموشیٔ صحرا میں اک لہر سی یادوں کی
دل جیسے بھنور میں ہو، من موج پہ بھستی ہے

نا چاند نہی سورج ، نا رات نہی دیپک
بس چاندنی جیسی کچھ ، دل والوں کی بستی ہے

جاں سرِ نوکِ سناں دی جائے
اب نہ کوزے میں اذاں دی جائے

پیٹھ کرنا نہیں اپنا شیوہ
دستِ قاتل پہ ہی جاں دی جائے

دوستی کا جو بھرم رکھنا ہے
دشمنوں کو بھی اماں دی جائے

خوف سے لوگ نکلتے ہی نہیں
ان کے ہاتھوں میں کماں دی جائے

آ گئے پھر سے رُلانے والے
کچھ ہمیں طرزِ فغاں دی جائے

عکس در عکس اضطراب نہ دیکھ
سطح پر کیا ہے بے حساب نہ دیکھ

اک ذرا لہر کا مزاج سمجھ
کیا ہوا قصرِ زیر آب نہ دیکھ

رنگ بے رنگ کیوں نگاہ کا ہو
خواب جب خواب ہے تو خواب نہ دیکھ

یورشیں حلقہ ہائے تنگ نہیں
خیمہ ٔ درد بے طناب نہ دیکھ

آنکھ تو ہے کھلے اُفق پر آ
روزنوں ہی سے آفتاب نہ دیکھ

کچھ سوالات خود ہی حل کر لے
بے سبب بے بصر کتاب نہ دیکھ

کوئی بھی حادثہ حادثہ اب نہیں
چونکنے کے لئے کچھ نیا اب نہیں

کب رہا جلتی شاخوں پہ طائر کوئی
اُڑ گئے سب کے سب آسرا ، اب نہیں

گرد کی جانے کتنی تہیں جم گئیں
چہرہ چہرہ تو آئینہ اب نہیں

سوچ کی دھوپ بھی بے تپش ہوگئی
سوچ لینے میں کوئی مزہ اب نہیں

گھر ہے آنگن ہے ،پیپل کی چھاؤں بھی ہے
گاؤں کی دھول کا ذائقہ اب نہیں

ریت دریا کی مٹھی میں ہے اور میں
سوچتا ہوں گماں لہر سا اب نہیں

ایک مدت کہ الفاظ گونگے ہوئے
اک زمانہ تھا کہہ سن لیا اب نہیں

بند آنکھوں کا خواب ، سوچ لیا
چشمِ خانہ خراب سوچ لیا

منحصر اب ترے سوال پہ ہے
میں نے اپنا جواب سوچ لیا

جلتے ہونٹوں کو چاہئے پانی
کتنا دریا ، سراب سوچ لیا

طائرِ فکر کوئی دام نہیں
بے سبب بے حساب سوچ لیا

آپ کہئے کہاں کی سوچیں وہ
ہم نے تو آفتاب سوچ لیا

آپ القاب ڈھونڈتے رہئے
میں نے عالی جناب سوچ لیا

نیند پھر اپنی ہوگئی بھاری
رات بھر کا عذاب سوچ لیا

درد کو عرضِ حال سوچ لیا
زندگی کو اُبال سوچ لیا

منحصر اب ترے جواب پہ ہے
میں نے اپنا سوال سوچ لیا

جلتے ہونٹوں کو چاہئے پانی
تم نے دریا میں جال سوچ لیا

نیکو کاری میں ہے سکون بہت
کتنا نادر خیال سوچ لیا

بھاگتے شہر کی ملاقاتیں
تیرا ذوقِ وصال سوچ لیا

شعر گڑھنا بھی ایک مشکل فن
شاعرِ با کمال ! ''سوچ لیا''

جب رہا ہے کلیم مشکل میں
اس نے تیرا جلال سوچ لیا

اُدھر بوڑھی قیادت اور ہم ہیں
نئی رُت کی بشارت اور ہم ہیں

کہاں تک سنگِ معنی وہ تراشیں
کہ شیشے کی نزاکت اور ہم ہیں

تجھے اے زندگی کیا غم کسی کا
تری بے معنٰی چاہت اور ہم ہیں

سمجھتے ہیں سبھی روشن اشارے
بس اک لفظِ حماقت اور ہم ہیں

ذرا آنکھیں بھی اپنی کھول بندھو
بس اک تیری رفاقت اور ہم ہیں

کلیم اب منتخب کیجیے تو جانیں
زمانے بھر کی دولت اور ہم ہیں

Sherosokhan شعر و سخن
Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

لب کھولو کچھ بات کرو
چاہے دن کو رات کرو

کم ہے آنسو پینے کو
پلکوں پر برسات کرو

کچھ تو فرق بجھائی دے
جاں کو دل سوغات کرو

رتبہ کیا ہے مت دیکھو
شعر گری کی بات کرو

پتھر بن کر غم ڈھولیں
پیدا ایسی ذات کرو

رن جب ٹھہرا مات کرو
مرہم کی مت بات کرو

کچھ میرا انکار سہی
کچھ اپنا اثبات کرو

جسے دیکھو وہ اونچا بولتا ہے
سمندر چپ کنارا بولتا ہے

کبھی بھولے سے ہی آؤ ادھر بھی
تمہارے گھر کا رستہ بولتا ہے

وہی رہتا ہے تنہا بھیڑ میں بھی
وہی جو سچ ہمارا بولتا ہے

سمجھ لیتا دل اس کا اشارہ
خموشی میں بھی چہرہ بولتا ہے

میں شہزادہ ہوں دل کی مملکت کا
مری مرضی سے راجا بولتا ہے

سنا جاتا ہوں اکثر دور سے بھی
غزل میں کس کا لہجہ بولتا ہے

کلیم اپنا تخلص کرلو حاذق
کہ دانا چپ سیانا بولتا ہے

حویلی بن گئی مسمار کردیا گھرکو
مکیں پرستوں نے بازار کردیا گھر کو

ہوا وسیلۂ نکہت سہی مگر جاناں
کھلے دریچوں نے بیمار کردیا گھر کو

تمام لوگ تجھے ڈھونڈنے نکل آئے
یہ کس ہوا میں گرفتار کردیا گھر کو

روایتوں کی تھکن خواب سے پرے تھی مگر
نئے تقاضوں نے دشوار کردیا گھر کو

پڑوسیوں ہی نے چشمِ شرر دکھائی جب
پڑوسیوں نے ہی بیدار کردیا گھر کو

سجالئے جو دروبام لفظ و معنی
تو پھر غزل نے بھی اشعار کردیا گھر کو

کلیم ہے گہر آبدار رشتۂ جاں
اگر پروگیا ہار کردیا گیا گھر کو

نیند سے اُٹھ کر اپنا اپنا چہرہ دیکھ رہے ہیں
کون آیا ہے شہر میں سب آئینہ دیکھ رہے ہیں

کس درجہ سنگِ بنیاد سے خائف ہیں ہم آخر
ہر لمحہ گرتی دیوار کا سایہ دیکھ رہے ہیں

نم آنکھوں سے دھندلا جاتی ہے آفاق کی سرحد
لیکن ہم یہ کن آنکھوں سے دنیا دیکھ رہے ہیں

آؤمٹی چھوکر دیکھیں ان کے دروازے کی
دنیا والے اپنے اندر صحرا دیکھ رہے ہیں

زخموں کے ہونٹوں میں جنبش ڈالدی اشکِ غم نے
دل کے اندر پھر اک دریا بہتا دیکھ رہے ہیں

آنکھوں سے پہرے اُٹھّے یا رت بدلی یا راتیں
چشمِ گریہ ساز کو کچھ شائستہ دیکھ رہے ہیں

دیوانگی کے نام سے بیزار ہوگیا
کل تک جنوں گلاب تھا اب خار ہوگیا

لہجہ بدل کے فون پہ اس نے کیا سلام
میں نے کہا کہ آپ کا دیدار ہوگیا

ہر شخص کی زبان پہ آتا ہے اسکا نام
دشمن جہان بھر ترا کیوں یار ہو گیا

بس ایک ہی تو پھول تھا وہ بھی دمِ بہار
بادِ صبا کے جھونکے سے بیمار ہوگیا

اس نے دعائے وصل کی لمحاتِ ہجر میں
یہ تیر بھی جگر سے مرے پار ہوگیا

ندی چڑھاؤ پہ تھی تو لبِ کنار رہے
کس اعتدال پسندی کے ہم شکار رہے

نئی سحر ، نئے امکان سارے بہلاوے
اب اور کتنا ان آنکھوں پہ اعتبار رہے

اسی بہانے بکھر جائیں شہر دیکھ آئیں
ہوا کو برگِ شکستہ پہ اختیار رہے

اکیلے زندگی کرنا ہے تو میں کیوں چاہوں
کہ میرے ساتھ زمانہ بھی اشکبار رہے

کبھی تو لذت گریہ سے تو بھی ہو سرشار
کبھی کبھی تجھے میرا بھی انتظار رہے

ہمارے پنکھ اُڑانوں سے ہوگئے خالی
مگر یہ ضد کہ ہواؤں پہ اختیار رہے

کلیم آنے لگا رنگ میرے چہرے پر
یہ آئینہ بھی کہاں تک پسِ غبار رہے

Sherosokhan شعر و سخن
Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

زہریلی تھالی پر اس نے خوشبو دانا چھینٹ دیا
دیوانہ ہشیار بہت تھا سارا کھانا چھینٹ دیا

شہروں کے جنگل کا نشہّ بستی بستی آپہنچا
دیوار و در کے پردے میں اک ویرانہ چھینٹ دیا

راہزنوں کی فیاضی کے قصے یوں بھی عام ہوئے
پہلے دل کی بستی لوٹی پھر ہرجانہ چھینٹ دیا

پیچھے آنے والے شاید تھوڑی دیر کو رک جائیں
اس نے ہر چوراہے پر آنہ دو آنہ چھینٹ دیا

دیکھ کر انکی اعلیٰ ظرفی وہیں ہوا بے ہوش کلیمؔ
فرغل کے جو لائق نکلا اسے زنانہ چھینٹ دیا

شہرِ ہوس کے میر کا منشا قبول کرلیا
دل نے منافقین کا سجدہ قبول کرلیا

چہرے پہ گرد ڈال کر ، شان سفر اُجال کر
عقبیٰ کے تارکین نے دنیا قبول کرلیا

شاخِ ثمر پہ جھک گئی، تیزی جنوں کی رک گئی
تشنہ لبی نے آخرش دریا قبول کرلیا

اتنا عزیز کون تھا شہر خیال میں جسے
خلعت سبھی نواز کر خرقہ قبول کرلیا

میں نے کلیمؔ خار سب پلکوں سے اپنے چن لئے
اس نے بھی میرے پھول کا تحفہ قبول کرلیا

کہیں ٹھہر کے دمِ انتظار لینا تھا
کسی بہانے تھکن کو اتار لینا تھا

جنھیں نکلنا پڑا مجھ سے آگے جاگے نکلے
مجھے تو لطفِ اٹھانے کا بار لینا تھا

کوئی نہ آیا تو کیا دل کو آزمالیتے
ایک آدھ بار اُسے ہی پکار لینا تھا

جلا رہی ہے مرا گھر بزعمِ سرتابی
ہوا کو مجھ سے ہی یہ اختیار لینا تھا

کبھی وہ کھل کے بھی آتا ، سمجھ کا پھیر ہے جب
تو آستین میں ہی اس کو مار لینا تھا

قصیدہ کس کا لکھے کون جائے کلکتہؔ
کس کی آنکھ میں کیوں جھلملائے کلکتہؔ

کسی نے کھینچ کے مارا ہے تیر یا پتھر
کہ سنسنی ہے عجب سی فضائے کلکتہؔ

خلل دماغ میں کیوں آئے کنجِ یاراں سے
وصالِ یار پہ کیوں منہ بنائے کلکتہؔ

قدم کہ دھول اُڑیں جس گل عزاروں میں
اسے دماغ کہ سر پہ بٹھائے کلکتہؔ

چھپاکے چادرِ شفقت بڑھائے دستِ طلب
ہنسی ہنسی میں بھی کتنا رُلائے کلکتہؔ

ہر ایک دن ہے نیا وحشتِ تمنا میں
ہر ایک شام نئی شب دکھائے کلکتہؔ

کلیمؔ کل ہی تھے گویا جنابِ غالبؔ بھی
چلو جی چھٹّی ہوئی گھوم آئے کلکتہؔ

وہ پہاڑوں سے اترنے سے رہا
ابر کی طرح وہ جھرنے سے رہا
جاں لٹانے کا نہ سمجھا مفہوم
اور اسی بات پہ مرنے سے رہا
خانقاہوں سے جو باہر آیا
لوٹ کر پھر وہیں مرنے سے رہا
وصل کی رات گذاری روکر
ہجر کا پیٹ وہ بھرنے سے رہا
پاؤں تھم جاتے ہیں چلتے چلتے
تیری راہوں سے گزرنے سے رہا
خالی آنکھوں میں سویرا بے سود
رات کا قافلہ ڈرنے سے رہا
شوخیٔ لفظ بنا وہ جب سے
سرخیٔ خواب پہ مرنے سے رہا

اس نے آنسو پی لیا اچھا کیا
اور کچھ دن جی لیا اچھا کیا

بند کی میں نے بھی شکووں کی کتاب
اس نے دامن سی لیا اچھا کیا

آگیا سب کی نظر میں ماہ جب
اس کو اپنا ہی لیا اچھا کیا

اک صدی جینے کی چاہت تھی کسے
کوئی لمحہ جی لیا اچھا کیا

بیچ اندھوں کے کہاں چشمِ گناہ؟
آنکھ موندے پی لیا اچھا کیا

نقوشِ اول

(۱۹۷۸ تا ۱۹۸۵)

پھول کس طرح کھلتے خواہشوں کے آنگن میں
زندگی سرابوں کے رخ پہ بھاگتی آئی

تشنہ لب سمندر تھے پیاس بجھ گئی انکی
بادلوں کے حصے میں صرف تشنگی آئی

ہونٹ ہونٹ سوکھے ہیں جانے کب ادھر آئے
گاؤں گاؤں سنتے ہیں سرپھری ندی آئی

دھوپ تیز تھی اتنی چھاگئے سیہ بادل
آنکھ کب تلک جلتی آخرش نمی آئی

جانے کس کی آہٹ پر آنکھ کھل گئی میری
چاندنی بھی کمرے میں جانے کیوں چلی آئی

کرب کے حصاروں میں قید خواہشیں اپنی
کھیلنے کے موسم میں ایسی بے بسی آئی

عجب تغیر گمان چپ ہے
ورق ورق داستان چپ ہے

چٹختے صندل وہ دشت گلشن
کہ سانپ کی اب زبان چپ ہے

ہے گرد اس کے الاؤ روشن
دھوئیں میں خالی مکان چپ ہے

یہ گرم آندھی ہے یا کہ آہٹ
جو ساعتوں کی زبان چپ ہے

شجر پہ ہیں خوش نما پرندے
بریدہ دستی میان چپ ہے

عقب میں آنکھوں کے زاویے ہیں
ہدف درونِ کمان چپ ہے

کلیم آنکھیں ٹنگی ہوئی ہیں
قضا کی ساعت زبان چپ ہے

شفق صفت رخ پہ غازۂ آفتاب کیوں ہے
کلیم حاذق تصنع ہی انقلاب کیوں ہے

شکستگیٔ حیات میں اک جہان روشن
بدلتے لمحوں کی دستکوں میں سراب کیوں ہے

ہر ایک شئے گرد بن کے اُڑنے لگی فضا میں
سروں پہ اپنے یہ منجمد اب سحاب کیوں ہے

وہ زہر گھلنے لگا ہے سانسوں میں یاسیت کا
ہزار آنکھوں میں قید اپنا بھی خواب کیوں ہے

ہر اک نظر جھانکنے لگی ہے خلا کے اندر
ہر ایک دل زرد خواہشوں کا نصاب کیوں ہے

ہے ذہن پر بس سنہری لفظوں کا خول باقی
ورق ورق زندگی کی اب ہر کتاب کیوں ہے

ہوائیں چپ ہیں، بلا رہی ہے یہ کیسی آہٹ
خموشیوں میں کلیم یہ اضطراب کیوں ہے

جمود بھی ہے مگر اضطراب ایسا ہے
ورق کتاب کے اُلٹو کہ باب ایسا ہے

اُداس آنکھوں نے پائی ہے زندگی کی رمق
تمہارے چہرے پہ رنگِ حجاب ایسا ہے

بھٹک رہی ہے تمنا سراب کے پیچھے
نظر بھی آڑتی چلے یہ سحاب ایسا ہے

شگفتہ باغ میں اگ آئے یاسیت کے ببول
سلگتی یادوں کا دل پہ عتاب ایسا ہے

زبانِ درد کو الفاظ بھی نہیں ملتے
کہ بھاگتے ہوئے لمحوں کا خواب ایسا ہے

شام تھی، جسم جسم سہا تھا
آنکھ تھی عکس عکس گھر کا تھا

صبح تھی اک نئی کرن لے کر
وہ بھی تو رات کا کرشمہ تھا

رات یا آنکھ آسماں پر تھی
نیند یا جیسے درد برسا تھا

جسم تھا برسے بادلوں کی طرح
آنکھ میں عکسِ رنگِ فردا تھا

خواب تھے صرف ریت کے ٹیلے
اور مجھے انتظارِ دریا تھا

بھاگتی ساعتوں کے در وا تھے
پیڑ کی کونپلوں میں شعلہ تھا

اک شجر تھا میں زرد موسم کا
کب مرے پاس کوئی آیا تھا

روز و شب کا سانحہ جاری رہا
اپنے اندر ٹوٹنا جاری رہا

جیب خالی میہماں آتے رہے
دستکوں کا سلسلہ جاری رہا

وہ گلابی تتلیاں تھیں اُڑ گئیں
بے سبب کا چیخنا جاری رہا

بجلیوں کی گونج اک ساعت کی تھی
سنسنانا ذہن کا جاری رہا

ریت کے ٹیلے الٹتا کون پھر
تشنگی کا سلسلہ جاری رہا

خشک پتوں کی تہیں جمتی رہیں
کالی رت کا فیصلہ جاری رہا

نیم شب سوکھے درختوں پر کلیم
اُلوؤں کا چیخنا جاری رہا

Sherosokhan شعر و سخن
Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

آگ تھی اور دھوئیں کا منظر تھا
چیخ تھی چہرہ چہرہ ششدر تھا

سرسراتی ہوا کا لمس کہاں
خشک موسم مرا مقدر تھا

تیز سے تیز ہوگئی ہر سانس
چپکے رہنا بھی مجھ سے دو بھر تھا

سرد موسم چٹختا بندِ قبا
سامنے کھولتا سمندر تھا

یاد رفتہ کے مور رقص کناں
عکسِ پا آئینے کے باہر تھا

چاندنی چھن کے آگئی گھر میں
شب کی آہٹ سنوں یہ ازبر تھا

پیاس کی تتلیاں مچل اُٹھیں
کوئی دریا سراب پیکر تھا

فسردہ چہرے پہ قوسِ قزح کا رنگ کہاں
میں ایک سنگ ہوں مجھ میں کوئی امنگ کہاں

کہاں پہ ختم سفر اضطراب کا ہوگا
یہ دیکھنا ہے کہ جاتی ہے یہ سرنگ کہاں

امیرِ شہر کی دعوت قبول ہوتی ہے
بسیرا کرتا ہے بستی میں اب ملنگ کہاں

بندھی ہے ایک ہی خواہش میں سب کی ڈور یہاں
ہوا کے دوش پہ اُڑتی ہے اب پتنگ کہاں

گھروں میں نفرتیں پھیلائی جارہی ہیں کلیم
کہ سرحدوں پہ ہی ہوتی ہے ساری جنگ کہاں

پت جھڑ ریت بگولے اپنے پاس لئے
ڈھونڈ رہا ہوں بچپن آنکھ میں آس لئے

اس کی آنکھیں میرا پیچھا کرتی ہیں
پھرتا ہوں اب جنگل میں سنیاس لئے

رہ کے بلندی پر بھی آج کا ہر سورج
کانپ رہا ہے پستی کا احساس لئے

ہم تو بس اک نسل کے پیاسے ہیں اور وہ
جیتے ہیں کیسے صدیوں کی پیاس لئے

وہ بھی چوراہے پر پڑا ملا ہر چند
آنکھوں میں اچھے وقتوں کی آس لئے

پہرے داری کا موسم پھر آیا ہے
راجا گھوم رہا ہے بندھوا داس لئے

ابرِ بے آب اُڑا لے جائے
آبرو اپنی بچا لے جائے

زندگی جیسے ہو برگِ خستہ
اک جھونکا ہی اُڑا لے جائے

نوح کی تیز ہوا آئے پھر
شہر کا شہر بہا لے جائے

قریۂ جاں سے گذرنے والا
آپ اپنی ہی سزا لے جائے

بعد اس ایک ہی ساعت کے کلیم
سارے ہنگام اُٹھا لے جائے

تشنگی، ذات کا سفر کب تک
ریت کی لمبی رہ گزر کب تک

بے اماں زندگی ترستی ہے
خواب ہی خواب رات بھر کب تک

راستے ڈھل گئے سرابوں میں
ہم تلاشیں اب ان میں در کب تک

نو نہالانِ ارض ہیں ہم بھی
مفلسی میں کریں گزر کب تک

کچھ تو آئے یقین آنکھوں کو
یوں ہی اُڑتی رہے خبر کب تک

کوئی موسم بہار کا آئے
سربریدہ رہے شجر کب تک

بہہ گیا آنکھ کا سارا پانی
دل ہوا ہے کھنڈر ، مگر کب تک

معرکہ اب اُٹھائے کیسے
قدم نشانے پہ جائے کیسے

جو صف بہ صف ہوں شجر ہمارے
ہوا بھی لغزش دکھائے کیسے

حقیقتیں زیبِ طاقِ نسیاں
کہانیاں وہ بنائے کیسے

دھندلکے وسعت بڑھارہے ہیں
نہ ہو جو سورج تو سائے کیسے

بہار بخیہ اُڑائے جس کی
پھر اس چمن کو سجائے کیسے

کسی کو ملتا ہی تو نہیں جب
تجھے جو پائے گنوائے کیسے

روایتوں میں شگاف ممکن!
مگر تسلسل بھی آئے کیسے

یہ عجب واقعہ زندگانی کا ہے
کربلا کربلا شور پانی کا ہے

شاخ بر شاخ موسم کا نغمہ نہیں
صرف سنّاٹا برگِ خزانی کا ہے

یہ زمیں پوچھتی ہے فلک سے گھری
کوئی انجام میری کہانی کا ہے

مسئلوں میں اُلجھنے کا موسم نہیں
وقت ایسا ابھی سرگرانی کا ہے

محفلِ درد میں مجمعِ قصہ گو!
وصف حاصل مجھے میزبانی کا ہے

فیصلے کی جسارت تو مجھ میں نہ تھی
سب کرشمہ مری بے زبانی کا ہے

وہ ملے تو نہ جھلکے نمی آنکھ میں
مرحلہ اب یہی سخت جانی کا ہے

کمند آسمانوں پہ پھینکی نہ تھی
مگر ہم نے دنیا بھی دیکھی نہ تھی

سفر تا سفر دھند میں کب لگا
کہ آنکھوں میں کب میری شوخی نہ تھی

قدم تھے سبھی تیرے ناپے ہوئے
تری راہ مجھ سے انوکھی نہ تھی

بھڑک اُٹھا کیوں زخشِ عمرِ رواں
تمازت لہو کی تو ایسی نہ تھی

وہ کس لمحۂ خوف کا فیض تھا
زباں تیری ہم نے تو پکڑی نہ تھی

شکاری خود اپنا نشانہ ہوا
کسی نے بھی اسکیم سوچی نہ تھی

کلیم اپنا تیور کھلا جو کبھی
تو پھر آستیں بھی گرائی نہ تھی

آس کا روز ٹوٹنا ٹھہرا
شعر کہنا جو مشغلہ ٹھہرا

ہر نیا دن کوئی نئی صورت
یہ تو سورج بھی مسخرہ ٹھہرا

اُڑ گئے رنگ سارے آنکھوں کے
تجھ سے ملنا بھی حادثہ ٹھہرا

راستے کھا گئے مسافر کو
جیسے ہی کوئی قافلہ ٹھہرا

سرنگوں شاخ شاخ پر نکہت
موسمِ سبز کس جگہ ٹھہرا

خوف پالے ہوا کی آہٹ سے
عکس بھی آخر نقشِ پا ٹھہرا

کربِ اظہار میں وہ دل بستہ
اور میں حرفِ نارسا ٹھہرا

غزل کی نے پرانی ہوگئی ہے
فضا بھی داستانی ہو گئی ہے

وسیلہ درمیاں لانا عبث تھا
جو کہنا تھا زبانی ہوگئی ہے

رگوں میں مچھلیاں سی تیرتی ہیں
سنا وہ بھی سیانی ہوگئی ہے

رکھو ! اچھا سا اک عنوان اس پر
سنو ! پوری کہانی ہو گئی

کوئی چشمہ ، کوئی دریا بہاتا
عبث غارت جوانی ہوگئی ہے

گریہ تیشہ سنی جاتی نہیں پتھر سے
اور فرہاد کو دستار ہے پیاری ، سر سے

اک ذرا چہروں کے اوراق اُلٹ کر دیکھو
کتنی تصویریں ابھر آئیں گی پس منظر سے

کیسے خوابوں کی للک میں ہوئے گم سب احباب
ہوگئی شام نکلتا نہیں کوئی گھر سے

بیج کوئی بھی ہو تھوڑی سی نمی ہے درکار
دعویٔ جوشِ نمو خوب نہیں پتھر سے

بس یہی وجہ کہ اشعار کہا کرتے ہیں
''بات کو طول نہیں دیتے خدا کے ڈر سے''

اجنبی شہرِ غزل ، کیوں ہے زباں گنگ کلیم
کوئی خالی تو نہیں جاتا کبھی اس در سے

عجب آگہی ذہن جلتا رہے
لبوں پر مگر کیوں رہے کیا رہے

سفر موسموں کا بدلتا رہے
کوئی دیر تک یہ بھی چرچا رہے

فرشتوں کی خصلت سوالی ہوئی
ثوابوں کی دہلیز تنہا رہے

سبھی راہیں جنگل کی آساں نہیں
تو شہروں میں ہی اپنا خیمہ رہے

سبھی حادثے عادتیں بن گئیں
ترا ذکر ہی جان لیوا رہے

تہہ ریگ دریا بہے پھوٹ کر
کہاں تک سرابوں میں دنیا رہے

کسی طرح اُلجھیں رہیں آپ میں
یوں ہی واقعہ سربریدہ رہے

سکوں کوئی بھی چھاؤں دیتی نہیں
خوشا تیری زلفوں میں سایہ رہے

سبھی گھر سے باہر مگن ہیں کلیم
کوئی میہماں بن کے آتا رہے

ایک پل کنجِ ماضی سے بچھڑا ہوا
شب گئے میری پلکوں پہ ٹھہرا ہوا

یک بیک اس کو سوچا تو ایسا لگا
کوئی مضمون مدت کا چھوٹا ہوا

ڈوبتے دن کے ہنگام دھندلا گئے
شام کے بعد دل اور تنہا ہوا

بے سبب اس کے اشعار ازبر نہیں
سرد لہجہ مگر کچھ کھنکتا ہوا

موسموں کے عتابی کہاں کھو گئے
شاخ پر سبز آہنگ بجتا ہوا

میرا دشمن مرا حوصلہ بن گیا
خاکِ پا میری آنکھوں کا سرمہ ہوا

میر کے سارے نشتر سے زخمی ہوں میں
کب تھا لہجہ مرا یوں سلگتا ہوا

کوئی جھونکا ہوا کا پوچھتا ہے
کہاں تک سانس باقی ہے ہماری

لبوں پر ہے تپش کی شعلہ رنگی
اُن آنکھوں میں اُداسی ہے ہماری

یہاں چاہت میں کم ملتا ہے یارو
یہ دنیا دیکھی بھالی ہے ہماری

میں اس کو منتظر رکھتا ہوں اکثر
اُسے بھی فکر رہتی ہے ہماری

سبھی کردار اس کے سربریدہ
الگ سب سے کہانی ہے ہماری

یہاں اب کون آنسو پوچھتا ہے
یہ آنکھیں اور اُداسی ہے ہماری

نظر کچھ بے ارادہ ہوگئی ہے
زمینِ دل کشادہ ہوگئی ہے

ترستی ہوں گی آنکھیں خواب گہہ میں
چلو گھر رات زیادہ ہوگئی ہے

غریبِ شہر کیا پہچانے رستہ
امیری پا پیادہ ہو گئی ہے

مجھ سے باہر جا کہیں بھی رہ کے دیکھ
جھیلنے کا درد بھی تو سہہ کے دیکھ

بازوؤں میں دم ہو تو آ سامنے
مجھ مخالف لہر میں بھی بہہ کے دیکھ

میرے دشمن تیری خصلت کے نہیں
جھوٹ سچ میری طرف سے کہہ کے دیکھ

صرف چہرے پر نہیں موجِ سیہ
شورشِ خاموش میری تہہ کے دیکھ

خواب بن کر گھیر رکھوں گا تجھے
شعر گہہ میں تو ہمارے رہ کے دیکھ

بھولی بسری یادوں کی اُلجھن سے باہر آ
مور کی دم سے باندھ کے آنکھیں بن سے باہر آ

تنگ حریرِ کام و دہن اب چاک تو کر اپنی
لذت آنکھ بنے کب تک چلمن سے باہر آ

اک ہی موسم کی برکھا ہم ، کیا ہوں آب سراب
اندھا ہی کہنا ہے تو ساون سے باہر آ

ہوں آزاد تو جنگل اپنا ہے شامیں اپنی
جوگی دھیان کے اس کچے آنگن سے باہر آ

بھیگے تاروں کی ہمراہی ، پلکوں پر اک موج
ڈولتی کشتی ساحل کی اُلجھن سے باہر آ

ایک لمحے کی جسارت کا اثر
کرب کا سارا سمندر پی گیا

عکسِ ماتم زار لفظِ بے نشاں
قطرۂ خوں دیدۂ تر پی گیا

دھند سے نکلا تو غائب کائنات
خالی کمرہ سارا منظر پی گیا

اور بھی میں اجنبی جیسا لگا
فاصلہ کیا آسماں بھر پی گیا

زیست کا نشّہ نہیں پھربھی کلیم
عمر کے تیئس ساغر پی گیا

طناب ڈھیلی ہوئی خیمے پھڑپھڑانے لگے
نئی دشا میں پرندوں کے غول جانے لگے

کچھ اس طرح ہوئے معتوب رسمِ دنیا کے
ہم اپنے آپ سے اپنی نظر چرانے لگے

یہ کیسی بھول بھلیوں میں دل ہے سرگرداں
یہ کس خرابے میں ہم آپ کے ٹھکانے لگے

ترا ستم ہی مجھے شرمسار کرتا رہا
تجھے بھلانے میں دل کو کئی زمانے لگے

بلند ہوگیا کچھ اور عمر کا سایہ
وصالِ شب کے لئے دن کے شامیانے لگے

تو ایسا قافلہ پہنچے گا کیسے منزل تک
جو بے بصر ہی اگر راستہ دکھانے لگے

ذرا زمانے کی کچھ تو خبر بھی رکھئے کلیم
کہاں یہ لفظ کی بازیگری دکھانے لگے

اے مرے دل اسی ویرانے کا قصہ لکھیں
خود فریبی ، مری آنکھیں جہاں رکھ آئی ہیں

اس کی آنکھوں میں فقط رات کوئی خواب کہاں
میری پلکیں بھی کہاں سائباں رکھ آئی ہیں

یوں ہی تارے نہیں اُڑتے ہیں دمِ صورتِ خواب
رنگ کچھ اپنا بھی یہ تتلیاں رکھ آئی ہیں

اپنا گھر جان کے لوٹیں وہ ادھر ہی شاید
بجلیوں نے ہی کئی تیلیاں رکھ آئی ہیں

Sherosokhan شعر و سخن
Urdu Web Magazine www.sherosokhan.com

اگر خاک ڈرنا شجر بھول جائے
تو یہ راستہ بھی شرر بھول جائے

ہوا ناامیدی کا سایہ دراز
مسافر تمنا سفر بھول جائے

تو آکر رہو تم خوشی سے یہاں
اگر مفلسی میرا گھر بھول جائے

زمانے میں دیوانگی کم نہیں
جو غالبؔ سا آشفتہ سر بھول جائے

کوئی سوچ لے پھر نہ پوچھو کلیم
پتیلی کھڑی آنچ پر بھول جائے

بچا رکھے نگاہِ پر خطر سے
مگر خائف ہے ماں تیرِ نظر سے

مکافاتِ عمل ٹھہری یہ دنیا
سلامت کون نکلا اس بھنور سے

خلاقدموں تلے آئے نہ کیوں کر
شعاعیں پھوٹتی ہیں بال و پر سے

دھواں تو اُٹھ رہا تھا دل سے میرے
جمیعت کہہ رہی ہے اس کے گھر سے

علاوہ کوئی مصرف ڈھونڈ رکھئے
بہت بھیگے ہیں تیری چشمِ تر سے

سلامی دیجئے ہر بے ہنر کو
مگر کچھ دور رہئے کم ہنر سے

کلیم اپنا ہنر تو بس یہی ہے
اگر میں چپ رہوں تو کان ترسے

دریاؤں کی قبر بچھاؤں میں خود ہی
کشتی میں سوراخ بناؤں میں خود ہی

آج پڑوسی پر رکھنا ہے ہر الزام
اپنے گھر میں آگ لگاؤں میں خود ہی

کیوں احسان اُٹھاؤں دیوار و در کے
تجھے رُلاؤں تجھے مناؤں میں خود ہی

دھاگے، پھول، سلونی راتیں، تنہائی
خوابوں کا بستر گرماؤں میں خود ہی

رنگِ بہاروں کا جب اُترا اترا ہے
سبزے ! پیراہن سلواؤں میں خود ہی؟

تجھ سے چاہوں بلا تکلف سب کہہ دے
حالت پر اپنی شرماؤں میں خود ہی

بند کروں کیوں بابِ ہنر اپنے اوپر
شیرازہ باندھوں بکھراؤں میں خود ہی

نقادِفن اونچے میں کوتاہ رسا
دیباچہ کس سے لکھواؤں، میں خود ہی

رشتوں کی زنجیر کھنکتی رہے کلیم
ٹوٹے تو حلقہ بن جاؤں میں خود ہی

غزل یا مرثیہ ہے میر جانے
مگر روئے سخن شبیر جانے

اٹھاتا کیوں ہے دل بارِ پریشاں
اسے دیوانہ یا زنجیر جانے

ہوا کا لمس بھی چھوکر نہ گذرے
وہ سوچے جو تجھے جاگیر جانے

جنوں خانے میں آویزاں تو کردی
اُلٹ جاتی ہے تو تصویر جانے

عجب دنیا کہ اپنے ہر خلل کو
ہمارے شعر کی تفسیر جانے

نرم لفظوں کی جگالی
یا دہن کی پائمالی

سخت مشکل ہے کہ ہونا
گلشنِ اشعر کا مالی

کیسی خم ہے سر بلندی
میری زلفیں تیری گالی

اپنے اپنے ڈھنگ سے ہے
ساری دنیا ہی سوالی

راستہ جیسا بھی ہووے
بس روش چاہوں مثالی

دھول مٹی کا سراپا
اور پھر سب کچھ خیالی

سال بھر جب خوں جلاؤں
تب غزل ہوتی ہے سالی

برف ترے لب پر پگھلے گرماؤں میں
نیند تری آنکھوں میں اور سوجاؤں میں

میں رنگوں میں قید تمہارے چہرے پر
کوئی جب پوچھے مجھ کو اُڑجاؤں میں

بھولا بسرا کون کہاں سے آجائے
خود ہی اپنے گھر دستک بن جاؤں میں

جانے کیسا عکس ہے تیری آنکھوں کا
تجھ سے بات کروں تو خود شرماؤں میں

سارے خواب تری آنکھوں پر لکھ آیا
اور کیا تیری چیز تجھے لوٹاؤں میں

ایک ہی پل میں نئے پرانے سب جھوٹے
ایک اسی لمحے سے بس گھبراؤں میں

اپنی سنا کر بھاگ نہ جائیں یار کلیم
بھیڑ جمی ہے جلدی غزل سناؤں میں

چشمِ جاناں صورتِ الہام بند
شہرِ دل میں ہوگئے سب کام بند

منہ اندھیرے بھاگنا پھر لوٹنا
عمر ساری ہوگئی ہنگام بند

دل کے مندر میں کدورت ہے مکیں
اور کھنڈر میں ہوگئے سب رام بند

اس نے پھر دیکھا ہے مجھ کو پیار سے
رن میں پھر اُتری نظر صمصام بند

کیوں رقیبوں کا جلادیتے ہیں خوں
کیجئے اب بے تکے احکام بند

آپ ہی پر تان کیوں ٹوٹے کلیم
شہر میں ہیں اور بھی احرام بند

اک طرف آوارہ بادل خاک پر آتا نہیں
اور آنکھوں کو برسنے کا ہنر آتا نہیں

اے مرے بجھتے ستاروں آنکھ کا بھی قرض ہے
خواب کا جھونکا تو پہروں ، رات بھر آتا نہیں

خشک پتے سج رہے ہیں موسموں کی سیج پر
شاخساروں پر کوئی غنچہ نظر آتا نہیں

ایک لمحہ بخش دیتا ہے جمالِ انتہا
اک وہی لمحہ کبھی تو عمر بھر آتا نہیں

مسندیں تبدیل ہوجاتی ہیں لیکن اک سپاہ
جنگ کے بازار سے بے دام گھر آتا نہیں

کھیتیاں سیراب تو کردیں ہم اپنی آنکھ سے
آنسوؤں کی سیل میں لیکن گہر آتا نہیں

ہر کوئی اپنی جگہ اک معرکے میں قید ہے
دامنِ گلزار میں صحرا آتا نہیں

کلمۂ حق ہر کسی کے لب کی زینت ہے مگر
ہر کوئی سچ کی حمایت میں نظر آتا نہیں

کھڑکیاں ساری کھلی رکھی ہیں میں نے اے کلیم
خوشبوؤں کو ہی بھٹکنے کا ہنر آتا نہیں

ہر نفس تجھ ہوس پجاری ہے
شہر کو کون سی بیماری ہے

رہ گزر آسماں ذرا سی مئے
جانے کس کی اجارہ داری ہے

ہوشمندوں سے ہوش کی باتیں
ہوشیاروں کی ہوشیاری ہے

نشۂ زندگی چڑھا تو لگا
جان بھی اپنی کس کو پیاری ہے

کچھ اثر ہجر کی روداد کے کہنے کا تھا
اور موقع بھی تو آنکھوں کے برسنے کا تھا

جاتے جاتے وہ مری سمت جو مڑ کر دیکھا
اسکی آنکھوں میں بڑا درد بچھڑنے کا تھا

یوں تو آنکھوں میں بھی اک خواب کی صورت رہتا
اک بہانہ اسے دامن سے لپٹنے کا تھا

ہم چلے ساتھ مگر شوق اسے تھا کچھ اور
سارا الزام تو مجھ پر ہی بہکنے کا تھا

میرے قاتل پہ بھی ہوتی ذرا وحشت طاری
سنگدل رو دیا ، منظر وہ تڑپنے کا تھا

وہ جن کے تلوؤں سے زخمِ سفر نہیں جاتا
ذرا سی دھوپ میں چہرہ اتر نہیں جاتا

سبھی کمان پر چلّے چڑھائے بیٹھے ہیں
کوئی بھی روٹھنے والوں کے گھر نہیں جاتا

ہماری آنکھ ہی وحشت کی ہوگئی عادی
کوئی بھی سال ہو اچھا مگر نہیں جاتا

وہ خوش ہے تہمتیں رکھتے ہیں ایک دوجے پر
کسی کو تیسرا لیکن نظر نہیں جاتا

اک آدھ شوق کی تکمیل سے ہی جشنِ بہار؟
گلِ مراد سے دامن تو بھر نہیں جاتا

وہ روبرو نہیں ہوتا ہے آجکل لیکن
نظر سے اترا ہے دل سے مگر نہیں جاتا

عجب کہ فلیٹ ہی بن جائے مقبرہ اپنا
کسی کے مرنے پہ ان شہر بھر نہیں جاتا

اک عمر تک درو دیوار کانپتی ہیں کلیم
کہ حادثہ کبھی پل میں گذر نہیں جاتا

(اقبال کی نذر)

کیوں بے سبب ہواؤں پہ رویا کرے کوئی
شاخوں سے اتصال کو سمجھا کرے کوئی

دروازے بند ہوں جو دلوں کے چہار سمت
تو اپنے اندرون میں جھانکا کرے کوئی

وہ بد مزاج ہے تو رہے اس سے دور دور
بے کار اس کی سمت نہ دیکھا کرے کوئی

دست و گریباں ہونے لگے خار و گل یہاں
یوں عشق کا بھی حوصلہ پیدا کرے کوئی

وہ بولتا رہا تو کسی نے سنا نہیں
اس کی خموشیوں کو بھی جھیلا کرے کوئی

اے شب چراغ میرے اجالوں کو مت پرکھ
سورج کو چاندنی میں نہ ننگا کرے کوئی

فریاد کرنے والے کوئی اور لوگ تھے
اے شہر بے گھروں سے نہ الجھا کرے کوئی

شرارتوں کے زمانے بلائے جانے لگے
ہمارے گھر میں کھلونے سجائے جانے لگے

بہار آئی ہے کچھ تو ثبوت آئے نظر
یہی سبب ہے کہ سبزے بچھائے جانے لگے

عبث ہی کہنے دیا پھول کو مرا احوال
ذرا سی بات کے قصے بنائے جانے لگے

کبھی تو قطرۂ شبنم سے بجھ گئی ہر آگ
کبھی تو پیاس کے دریا بہائے جانے لگے

گماں ہوا جو تہی دست ہوگیا سورج
اندھیرے اور جہاں میں بڑھائے جانے لگے

رشتوں میں جب گرہ پڑی تو اس نے بھی لب کھول دیا
صدیوں تک گونگا رہنے سے اچھا ہے کچھ بول دیا

اس نے بھی تاروں کے رستے خود پلکوں پر کھول لئے
میں نے بھی اس کی یادوں کو من بھر موتی تول دیا

جو کچھ دنیا کہتی ہے سب اس کے دامن کے صدقے
میرے شہر نے مجھ کو اپنے اندر ایسا رول دیا

خاموشی میں رہ رہ کر سرگوشی جیسی کچھ تو تھی
بے تابی نے بڑھ کر خود سے ہی دروازہ کھول دیا

سپنوں کے سوداگر نے سب سپنے ہم میں بانٹ دیئے
ہم نے بھی اس کی آنکھوں کو اک تحفہ انمول دیا

خوب سیاست کی نگری میں شعر وادب کے چرچے ہیں
سینے پر اک تمغہ ٹانکا گردن میں اک ڈھول دیا

وصل کی بات سناتے کیوں ہو
سیر بھر خون جلاتے کیوں ہو

یاد کرتے ہو اُسے شام و سحر
روز ہی عید مناتے کیوں ہو

تخمِ بے مایہ نہیں ہیں پھر بھی
جان کیوں اتنی جلاتے کیوں ہو

کیوں سرِ راہ نہیں ہو اُس کے
آنکھ سے آنکھ چراتے کیوں ہو

نا سائشتہ کچھ ہم ٹھہرے
کچھ وہ بھی منہ زور بہت ہے

باہر یہ کیسی ویرانی
دل کے اندر شور بہت ہے

بارش کے چھم چھم آنے پر
خوش اندر کا مور بہت ہے

یہ سچ ہے سر پہ کئی آسماں اُٹھائے ہوئے ہیں
بتادے کوئی کہ کس کِس کے ہم ستائے ہوئے ہیں

اب اپنے زخموں کا الزام لے لیا دل پر
تو کیوں وہ ہم سے ابھی تک نظر چرائے ہوئے ہیں

یہ چاروں سمت سے شبہات کی اڈتی ندی
کہاں کے ابر ہمارے سروں پہ چھائے ہوئے ہیں

مزہ پھر کھیل کا آتا جو کھیلتے وہ بھی
ابھی تو کھیل میں ہم کو ہی وہ پھنسائے ہوئے ہیں

یہ تنگ گلیاں ہمیں کیسے چھوڑتیں آخر
ہماری دھول میں یہ راستے نہائے ہوئے ہیں

سجارہے ہیں وہ پھولوں سے پھر روش اپنی
یہ کون جانے کہ کانٹے وہیں چھپائے ہوئے ہیں

ہمارے اشکوں میں شعلہ بھرا ہوا ہے کلیم
یہ سچ نہیں ہے تو دامن وہ کیوں بچائے ہوئے ہیں

پوچھتا ہے شہر میں اپنا پتہ ، وہ کون ہے
مانگتا ہے اپنے ہونے کی سزا وہ کون ہے

کون ہے جو اپنے اندر شعلگی رکھتا نہیں
اک جھماکے بعد ہی جو بجھ گیا وہ کون ہے

روشنی ہوتی ہے بام و در پہ کس کے نام سے
کس پہ جھنجھلاتی ہے یہ پاگل ہوا وہ کون ہے

سامنے ہوتا ہے تو بے قدر کرتے ہیں اُسے
پوچھتے ہیں سب سے پھر اُس کا پتہ وہ کون ہے

زندگی کی قدر جب روحِ عبادت ہے کلیم
زندگی کے نام پر جو مٹ گیا وہ کون ہے

کیوں سنگِ در بنا ہوا ہے
فرار کا راستہ ڈھونڈ رہا ہے

دنیا کے پیچھے پیچھے چلتے
کیا گھور اندھیرہو گیا ہے

پلکوں پر صبح جو ذرا مسکائی
رات کا کلیجہ پھٹ رہا ہے

صحرا اُداس ہو گیا پھر سے
مجنوں شہر میں بس گیا ہے

نعرے بلند ہورہے ہیں کتنے
بستی میں سیار آگیا ہے

لیل و نہار کے یہ حصے بخرے؟
بولو تو وقت کیا ہوا ہے

.....چند شعر.....

کو ن سا شہر ہے ہر اک کی نظر میں دستک
جانے کس باغ میں کھلتا ہے یہاں دروازہ

ہر کوئی پوچھتا ہے جانا کدھر ہے بولو
آج ہر موڑ پہ ٹھہرا ہے کوئی اندازہ

اپنے ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں خود اپنا وجود
کتنا ہی باندھیں بکھرتا ہی گیا شیرازہ

------{}------

مطبوعات

------{}------

ساڑھے تین ہاتھ بھومی	(اردو ناول دوگز زمین کا بنگلہ ترجمہ بہ اشتراک افسر احمد)	
	شائع کردہ ساہتیہ اکادمی دہلی	۱۹۹۸
چاند کھلونے	(بچوں کی نظموں کا کتابچہ)	۱۹۹۹
آگہی گر نہیں	(ادبی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ)	۲۰۰۳

منتظر اشاعت

------{}------

رگِ سنگ	(ادبی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ)
تابہ سحر	(قطعات و رُباعیات کا مجموعہ)
طوفان کے بیچ	(نظموں کا مجموعہ)

-----}}{{}}{{-----